علماء کی صحبت کے بغیر علم آزمائش وابتلاء ہے

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ صاحب کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کرلیا جائے۔ معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام پیشوں کے لیے بھی کسی استاذ ورہنما کی ضرورت مسلم ہے۔ بغیر استاذ کے نری عقل وذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ انجینئری ہو یا ڈاکٹری اور طبابت ہو، ہر صنعت وحرفت کے لیے ابتداءً عقل کی رہنمائی کے لیے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے۔

جب انسانی عقل کے پیدا کردہ فنون وعلوم کے حاصل کرنے کے لیے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علوم نبوت اور معارفِ انبیاء اور حقائق شریعت کے لیے استاذ ورہنما سے کیسے استغناء ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ علوم ومعارف تو عقل وادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحی ربّانی کے ذریعہ سے امت کو پہنچے ہیں۔

آسمانی تربیت اور ربانی ہدایات وارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ مربی کی توجہات اور اس کی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور تعلیم سے زیادہ ذہنی وفکری اور عملی تربیت ضروری ہے، اس لیے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ کمال نصیب ہوگا اور مربی ورہنما جتنا باکمال ہوگا اتنا زیادہ فائدہ اور کمال حاصل ہوگا۔ پھر ان علومِ نبوت کی غرض وغایت چونکہ ہدایت وارشاد اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی ہے، اس لیے ان کے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت واضلال اور گمراہی کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔

جو کمال کہ دنیوی مفاد کے لیے حاصل کرنا ہوتا ہے اس پر شیطان آرام سے بیٹھا رہتا ہے، اس کو دخل کی حاجت ہی نہیں، نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن جہاں آخرت وعقبیٰ اور دین کی بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کے لیے بے تاب ہوتا ہے، مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت

صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشد وہدایت' ضلالت میں تبدیل ہو جائے۔ اور چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے، یعنی حق و باطل میں ایسا التباس ہو جائے کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے' حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے، پھر نفس انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں۔

انسانی فطرت میں کبر وعجب ہے، ریاکاری وحبّ شہرت ہے، حبّ جاہ کا مرض ہے اور ایسے شدید وقوی امراض ہیں کہ مدتوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا، اس لیے نفس وشیطان کے اثرات سے بچنے کے لیے مدتوں کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب فضل الٰہی شامل حال ہو تو اصلاح ہو جاتی ہے، ورنہ انسان یونہی علم وعقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔

دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں' سب اذکیاء اور طباع حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے آئے ہیں، بلکہ علماء حق میں بھی بہت سے اذکیاء زمانہ اپنی شدتِ ذکاوت کی وجہ سے جمہور امت سے شذوذ اختیار کر کے غلط افکار ونظریات کا شکار ہو گئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ اپنے تبحر وذکاوت پر اعتماد کر کے علمی کبر اور اعجاب بالرأی کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے۔

ہمارے اس دور میں بھی اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں اور چونکہ علمی ذہانت تو ہوتی ہی ہے اور بسا اوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں، اس لیے ان کی وہ عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں نصیب نہیں ہیں وہ بہت جلد ان کے معتقد ہو جاتے ہیں اور ان کے امت سے مختلف شواذ اور جدید افکار ونظریات کے بھی حامی ہو جاتے ہیں اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ جو شخصیت امت کی ہدایت وارشاد کے کام آسکتی تھی وہ امت میں زیغ وضلال کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

ہر دور میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مقاصد الفلاسفة'' میں لکھا ہے کہ یونانیوں کے علوم: حساب، ہندسہ، عنصریات وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ ان کے تمام علوم کے معتقد ہو گئے، طبیعیات والٰہیات میں ان کی تحقیقات کے قائل ہو کر گمراہ ہو گئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے۔ شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا موقع مل جاتا ہے۔

بہر حال جب انتہائی علمی قابلیت والے، انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن میں علمی قابلیت بہت کم لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ ہو، صحبتِ ارباب کمال سے یکسر محروم ہوں، طباع وذہین ہوں، وہ تو بہت جلد اعجاب بالرأی کی خطرناک بلا میں مبتلا ہو کر تمام

امت کی تحقیر اور تمام تحقیقاتِ امت کا استخفاف اور تمام سلف صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لے کر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لیے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل کی ایک مشہور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ہے، جو بچپن ہی سے طباع و ذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے۔ ابتدا میں اخبار ''مدینہ بجنور'' میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار ''مسلم'' سے وابستہ رہے، پھر چند سالوں کے بعد اخبار ''الجمعیۃ دہلی'' میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا، دہلی سے نکلتا تھا، غالباً سہ روزہ تھا۔ تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب وتاب سے نکلتے تھے۔ اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے ذریعہ ہوتی گئی۔

والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے، بلکہ بالکل ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے۔ نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے۔ پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہوگئی۔ اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلّات و جرائد سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی۔ بدقسمتی سے نہ کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کر سکے، نہ جدید علم کے گریجویٹ بن سکے۔ نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہوسکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا۔ بلکہ بدنصیبی سے نیاز فتح پوری جیسے ملحد و زندیق کی صحبت نصیب ہوئی، ان سے دوستی رہی، ان کی صحبت و رفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات و میلانات پیدا ہوگئے۔

حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۳ء میں ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' جاری کیا، آب وتاب سے مضامین لکھے، بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ علمی و قلمی چیزیں ابھرنے لگیں۔ ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی، تحریک آزادیِ ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی، ہندوستان کے بہترین دماغ اسی کی طرف متوجہ تھے، مودودی صاحب نے سب سے ہٹ کر اقامتِ دین اور حکومتِ الٰہیہ کا نعرہ لگایا اور تحریک آزادی کی تمام قوتوں پر بھرپور تنقید کی۔ ان کے بھولے بھالے مداح یہ سمجھے کہ شاید دین قیم کا آخری سہارا بس مودودی صاحب کی ذات رہ گئی ہے، چنانچہ بہت جلد مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور عبدالماجد دریابادیؒ کے قلم سے خراج تحسین وصول ہونے لگا۔

ظاہر ہے کہ اس وقت مودودی صرف ایک شخص کا نام تھا۔ نہ اس وقت اس کی دعوت تھی، نہ جماعت تھی، نہ تحریک تھی۔ ان کی تحریرات اور زوردار بیانات سے بعض اہل حق کو اُن سے توقعات وابستہ

ہوئیں۔ ان کی آمادگی اور چوہدری محمد نیاز کی حوصلہ افزائی سے پٹھان کوٹ میں ''دارالاسلام'' کی بنیاد ڈالی گئی۔ لیگ و کانگریس کی رسہ کشی شروع ہوگئی تھی، ان کے قلم سے ایسے مضامین نکلے اور سیاسی کشمکش کے نام سے ایسی کتاب وجود میں آ گئی کہ ہم نوا حضرات سے اس کو خراج تحسین حاصل ہوا اور سیاسی مصالح نے اس کو پروان چڑھایا۔ لاہور میں اجتماع ہوا اور باقاعدہ امارت کی بنیاد ڈالی گئی اور ان کی ایک لکھی تقریر پڑھی گئی جس میں بتایا گیا کہ امیر وقت کے لیے کیا کیا امور ضرور ہیں۔

اربابِ اجتماع میں مشہور شخصیتیں جناب مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مسعود عالم ندوی بھی تھے، بڑے امیر منتخب ہوگئے اور چار امراء یہ حضرات امیر ماتحت منتخب ہوگئے۔ جماعت اسلامی باقاعدہ وجود میں آ گئی، اس کا دستور آیا، اس کا منشور آیا، لوگوں کی نگاہیں اُٹھیں، ہر طرف سے امیدیں وابستہ ہوگئیں، لیکن ۶ ماہ کا عرصہ نہیں گزرا ہوگا کہ مولانا نعمانیؒ، مولانا علی میاںؒ مستعفی ہوگئے اور ان کو ان کی علمی کمزوریاں اور اخلاص کا فقدان نظر آیا، ساتھ نہیں دے سکے، لیکن ان حضرات نے پھر بھی پردہ پوشی کی اور امت کے سامنے صاف وصریح وجہ علیحدگی ظاہر نہیں فرمائی۔

میں اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیتا تھا، میں نے ان دو بزرگوں سے جدائی کے وجوہ دریافت کیے، بہت کچھ کہا، لیکن کوئی صاف بات نہیں بتلائی، لیکن میں سمجھ گیا۔ مولانا مسعود عالم مرحوم اور مولانا امین احسن اصلاحی کو بہت کچھ معتقدات وطریقہ کار میں موافقت تھی اور یہ دونوں بزرگ عرصہ تک مودودی صاحب کے دست وبازو بنے رہے۔ مولانا مسعود عالم مرحوم نے عربی ادب کے ذریعہ خدمات انجام دیں اور مودودی صاحب کی تحریرات اور کتابوں کے آب وتاب سے عربی ترجمے کیے اور ادبی تربیت کرکے چند شاگردوں کو بھی تیار کردیا۔

مولانا اصلاحی نے اپنے خاص علمی ذوق وانداز سے مودودی صاحب کی تحریک کو پروان چڑھایا، اچھے اچھے رفقاء کار، اربابِ قلم اور اربابِ فن شامل ہوگئے۔ کیمونزم کے خلاف اور بعض دینی مسائل پر عمدہ عمدہ کتابیں لکھی گئیں۔ سود خوری، شراب نوشی، پردہ وغیرہ پر اچھی کتابیں آ گئیں۔ تفہیمات وتنقیحات میں بعض اچھے اچھے مضامین آئے۔ جدید نسل کی اصلاح کے لیے کتابیں تالیف کی گئیں۔

عرب ممالک میں خصوصًا سعودی عرب کو متأثر کرنے کے لیے اور وہاں کے شیوخ کو ہم نوا بنانے کے لیے مختلف انداز سے کام کیا اور کامیاب تدبیریں اختیار کیں اور جو رفقاء کار کے قلم سے معرضِ اشاعت میں آیا اُسے اس انداز سے پیش کیا جاتا رہا کہ یہ سب کچھ مودودی کی توجہات کا رہینِ منت ہے۔ اس سے ان کی شخصیت بننی شروع ہوگئی اور تمام جماعت کے افراد کی تالیفات سے خود وجاہت کا فائدہ اٹھایا۔

خود عربی لکھنے سے معذور، انگریزی لکھنے سے معذور ہے، نہ عربی لکھ سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، یہی انگریزی کا حال بھی ہے، لیکن جو کتابیں ترجمہ کی گئیں ان کے سرورق پر بھی لکھا گیا: ''تالیفات المودودی''۔ کہیں یہ نہیں لکھا کہ یہ ترجمہ مسعود عالم کا ہے یا عاصم حداد کا ہے۔ لوگ یہ سمجھے کہ اردو کا یہ ادیب کیا ٹھکانا عربی ادب کا بھی امام ہے۔ لیکن چند دن گزرے تھے کہ مولانا گیلانی مرحوم اور حضرت سید سلیمان مرحوم متنبہ ہوگئے کہ یہ تحریرات جدید فتنہ انگیزی کا سامان مہیا کررہی ہیں۔ جو کچھ خطابات تھے اور متکلم اسلام وغیرہ القاب تھے اس کو روک دیا اور مولانا گیلانی نے ''صدق جدید'' میں ''خارجیت جدیدہ'' کے عنوان سے تنقیدی مضمون لکھا۔ علمائے کرام کے زمرے میں شاید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے مکاتیب میں اس فتنے کی نشاندہی فرمائی۔ رفتہ رفتہ علماء امت کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔

حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت جو مطبوعہ ذخیرہ تھا سب کو مطالعہ فرما کر ایک مبسوط رسالہ مرتبہ فرمایا، لیکن افسوس کہ طبع نہ ہوسکا اور اس سلسلہ میں ایک مدرسِ مظاہر العلوم مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب' مودودی صاحب کی طرف مائل ہوگئے تھے، ان کی اصلاح کے پیش نظر ایک مکتوب لکھا جو ''فتنۂ مودودیت'' کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوگیا ہے۔

مودودی صاحب کی بہت سی چیزیں پسند بھی آئیں اور بہت سی ناپسند بھی، لیکن عرصہ دراز تک جی نہ چاہا کہ ان کو مجروح کیا جائے اور ان کے جدید اندازِ بیان سے جی چاہتا تھا کہ جدید نسل فائدہ اٹھائے۔ اگرچہ بعض اوقات ان کی تحریرات میں ناقابل برداشت باتیں بھی آئیں، لیکن دینی مصلحت کے پیش نظر برداشت کرتا رہا اور خاموش رہا، لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالم گیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بری صورت اختیار کرے گا اور دن بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے۔

آخر ''تفہیم القرآن'' اور ''خلافت وملوکیت'' اور ''ترجمان القرآن'' میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہدِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آگئی ہیں ''وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا'' والی بات ہے، اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت' جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آگیا ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم الف سے یاء تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کرکے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہٗ ولیُّ التوفیق۔